پروفیسر خالد شبیر احمد　　　　　　　　　　　　　　　　قسط:۴۳

ورق ورق زندگی

محفل ہوٹل کی رونقیں:

محفل ہوٹل کی رونقیں تحریک کے باوجود برقرار تھیں بلکہ ان میں اضافہ ہوا۔ ہم تمام دوست رات کو محفل میں جمع ہوتے اور تحریک کی صورت حال پر تبصرہ کرتے۔ بعض اوقات تحریک میں حصہ لینے والے کارکن بھی ہوٹل میں آ جاتے اور دن بھر کی کارگزاری سے ہمیں مطلع کرتے۔ چودھری صفدر علی ایڈووکیٹ مرحوم میرِ محفل ہوتے۔ کبھی محفل کا ماحول انتہائی سنجیدہ ہو جاتا تو کبھی متانت اور سنجیدگی کہیں دور دور تک نظر نہ آتی۔ مسرت و شادمانی پوری طرح اہل محفل کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ ڈاکٹر ریاض مجید، ملک اکرام محی الدین اور رانا ممتاز خصوصی طور پر دلکش اور لطف انگیز باتوں سے اہل محفل کو اپنی طرف متوجہ کرتے تو محفل کا رنگ ہی بدل جاتا۔ تحریک پر تبصرے بھی ہوتے۔ شہر کے اندر ہونے والے مظاہرے بھی زیر بحث آتے اور ملک کے دوسرے شہروں سے تحریک ختم نبوّت کے بارے میں خبروں پر تبصرہ بھی ہوتا۔ لیکن تمام دوست اس بات پر متفق نظر آتے کہ اس بار ۱۹۵۳ء کی تحریک کی طرح نہیں ہوگا۔ جس طرح پوری قوم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس اور اُن کے مقام و منصب کے تحفظ کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی ہے، جو جذبہ جو ولولہ نظر آ رہا ہے اور جس جوش و خروش سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پاکستان کے عوام اپنی عقیدت اور عشق کا اظہار کر رہے ہیں حکومت اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اور عوام کے مطالبات کے سامنے اُسے کو سرنگوں ہونا پڑے گا۔ وقت کے ساتھ ساتھ دوستوں کا یہ خیال مزید مستحکم ہوتا گیا اور آخر حکومت نے یہ فیصلہ کر دیا کہ قادیانیوں کا مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش ہوگا۔

قادیانی مسئلہ قومی اسمبلی میں:

جس دن یہ خبر آئی کہ قادیانیوں کا مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش کر دیا گیا ہے اُس شام محفل ہوٹل میں جمع ہونے والے احباب کی خوشیوں کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ ہر دوست دوسرے کو مبارک دے رہا تھا اور خوشی میں مٹھائی بھی تقسیم ہو رہی تھی۔ دوستوں کے چہروں پر مسرت و انبساط رقص کرتی نظر آتی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی حسین ترین اور خوش کن خواب کی تعبیر مکمل ہوتی سامنے نظر آ رہی ہو اور ہر دل سے یہی دعا آسماں کی طرف اُڑتی چلی جاری ہے:

مجھ کو تو میرے خواب کی تعبیر چاہیے　　　حُسن مآل کاتبِ تقدیر چاہیے
شہ رگ جو کاٹے ظلم کی شمشیر چاہیے　　　ایوانِ عدل میں کوئی محشر ہو پھر بپا
پھر کیوں نہ ہم کو دین کی تنویر چاہیے　　　جب پھیل جائے کفر کی ظلمت چہار سمت

دین کی وہ تنویر جس سے قادیانیت کی ظلمت اور اندھیرا دور ہو جائے وہ سامنے نظر آ رہی تھی۔ وہ خواب جو شاعر مشرق نے دیکھا تھا، جس خواب کو حقیقت میں تبدیل کرنے کا بیڑا امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھایا تھا وہ پورا ہوتا نظر آ رہا تھا اور یہی اہل محفل کی خوشی و مسرت کا باعث تھا۔ وہ دو اڑھائی ماہ جو قومی اسمبلی کی کارروائیوں

میں صرف ہوئے،ہمیں دو سال کی صورت میں محسوس ہوتے تھے۔ دل کی دھڑکن اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتے محسوس ہوتی اور کہتی کہ اے اللہ سُن لے ہماری التجا اور کردے وہ فیصلہ جو پاکستان کے ہر شہری کے دل کی صدا ہے کہ قادیانی جو ہرگز مسلمان نہیں ہیں، انھیں آئینی طور پر مسلمانوں سے الگ غیر مسلم اقلیت قرار دلوادے۔

ادھر قومی اسمبلی میں مسئلہ قادیانیت پیش ہوا تو دینی جماعتوں جن میں مجلس احرار اسلام اور مجلس تحفظ ختمِ نبوّت نے قادیانی لٹریچر وافر مقدار میں اراکین اسمبلی کو مہیا کرنا شروع کر دیا۔ تاکہ اراکین اسمبلی قادیانیوں کے خلافِ اسلام عقائد سے اچھی طرح سے متعارف ہوسکیں۔ مولانا عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ (مدیر ہفت روزہ ''المنبر''، فیصل آباد) نے بھی قادیانی لٹریچر اراکین اسمبلی کو مہیا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ لٹریچر اراکین اسمبلی تک پہنچا تو پھر اُن کے دل و دماغ اور ذہن میں ایک ایسا انقلاب برپا ہوا کہ جس کے سامنے قادیانیوں کے مسلمان ہونے یا کہلوانے کا بت پاش پاش ہونا لازمی تھا اور وہ ہوکر رہا۔

میرے عزیز دوست افضل احسن رندھاوا جو پنجابی کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پر متعارف ہیں اور جن سے میرے دوستانہ تعلقات ہیں۔ فیصل آباد میں اُن سے اکثر ملاقاتیں رہیں، وہ اُن دنوں فیصل آباد سے پیپلز پارٹی کے ایم این اے تھے۔ وہ اُن دنوں کی کہانی جب قومی اسمبلی میں قادیانی مسئلہ زیر بحث تھا، مجھے بتاتے رہے کہ ہر رکن اسمبلی قادیانی لٹریچر پڑھ کر قادیانیوں کے خلاف ہو چکا تھا۔ اور ہر رکن نے اپنے دل میں یہ فیصلہ بہت پہلے ہی کرلیا تھا کہ وہ اس قرارداد کے حق میں ووٹ دیں گے جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے کہا جائے گا۔ انھوں نے مجھے اپنے والد محترم کا وہ خط بھی پڑھایا جس میں اُن کے والد نے اُنھیں لکھا کہ اگر تم نے قادیانیوں کے خلاف ووٹ نہ دیا تو پھر میرے گھر کے دروازے تمھارے لیے بند ہوں گے۔ انھوں نے کہا کہ مرزا ناصر اور اُس کے ساتھ اُس کا لاؤ لشکر جب اسمبلی میں آتا تو ہم تمام اراکین اُن کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے کہ ہم نے وہ تمام لٹریچر پڑھ لیا تھا جو ہمیں مہیا کیا گیا، جس میں اللہ، رسول، صحابہ کرام، خاندان اہل بیت کی توہین کی گئی تھی اور ہمیں اُن تمام سرگرمیوں سے بھی آگاہی ہو چکی تھی جو قادیانیوں کی طرف سے اسرائیل کی حدود سے بلادِ اسلامیہ میں انگریزوں کو خوش کرنے کے لیے سرانجام دی گئیں تھی اور جہاد کی منسوخی کے خلاف قادیانیوں نے جو مہم پوری اسلامی دنیا میں پھیلائی ہم اُس سے بھی بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ انھوں نے ہی مجھے بتایا کہ قومی اسمبلی کے جو علمائے کرام رکن تھے وہ بھی اُن دنوں انتہائی فعال نظر آئے اور قومی اسمبلی میں اُن کی سرگرمیوں میں خلوص اور جنون و عشق کا جذبہ وافر نظر آتا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ مولانا مفتی محمودؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا عبدالحق اور پروفیسر عبدالغفورؒ کا قومی اسمبلی کے اندر کردار انتہائی قابل قدر اور قابل صد ستائش تھا۔ انھوں نے اس مقدس کام کے لیے دن رات ایک کر دیا اور قادیانیوں کے سربراہ مرزا ناصر پر جرح کرتے ہوئے اُن کے الفاظ ہمارے دلوں اور ہماری روح میں حرارت پیدا کرتے رہے۔ جبکہ قادیانی وکلاء اور اُن کے مربی حضرات پر آگ کے شعلوں کی طرح گرتے اور اُنھیں پسپائی پر مجبور کر دیتے تھے۔ وہ ایسا سماں پیدا کر دیتے تھے کہ اُن کے لیے دل سے دعا نکلتی تھی اور اُن کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ عقیدت پر کبھی کبھی آنکھوں سے آنسو بھی نکل آتے تھے۔

بہرحال قومی اسمبلی میں قادیانی آخر دم تک اپنے غلط اور خلاف اسلام عقیدے پر ڈٹے رہے اور پھر وہی ہوا جو ہونا

چاہیے تھا کہ جو گروہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہوئے مسلمانوں کو کافر قرار دیتا ہے تو پھر مسلمان عقیدۂ ختمِ نبوّت کی بنیاد پر اُنھیں کافر کیوں نہ قرار دیں۔

شاہی مسجد لاہور میں جلسہ اور ہنگامہ آرائی:

یکم ستمبر ۱۹۷۴ء کا وہ جلسہ جو تمام دینی اور سیاسی جماعتوں کا ایک متحدہ جلسہ تھا اور جو تحریک کے آخری دنوں میں مسلمانوں کی اس تحریک کی تائید میں کیا گیا تھا۔ اُس کا قصہ بھی اس تحریک کا اہم حصہ ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کے سربراہوں نے اس جلسہ میں عوام سے خطاب کرنا تھا۔ میں بھی اس جلسہ میں شرکت کے لیے دفتر مجلس احرارِ اسلام لاہور میں ایک دن پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ جہاں پر پورے ملک سے احرار رضا کار جمع ہو رہے تھے اکابر احرار بھی اپنے وقت پر دفتر پہنچ گئے اور پھر قائد احرار مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری اور ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاری کی قیادت میں احرار رضا کاروں کے ہمراہ وقت مقررہ پر میں بھی شاہی مسجد لاہور پہنچا۔ لوگوں کا جم غفیر مسجد کے صحن اور ہال میں جمع تھا۔ مظفر علی شمسی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر کی تقریروں کے بعد جب مولانا ابوذر بخاری تقریر کے لیے سٹیج پر آئے تو امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد، مجلس احرارِ اسلام زندہ باد کے نعروں سے جلسہ گاہ کی پوری فضا گونج اٹھی۔ مولانا ابوذر بخاری نے خطبۂ مسنونہ اور تلاوت شروع کی تو لاکھوں کا یہ مجمع اُن کے لحن داؤدی کے سحر سے وجد میں آ گیا۔ جب تک تلاوت ہوتی رہی جذب وکیف کی فضا نے دل ودماغ ہی نہیں روح تک کو بھی مسحور ومخمور کیے رکھا۔ تقریر شروع ہوئی، آہستہ آہستہ تقریر نے تمام لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ میں نے بھی اُس تقریر میں وہ سب کچھ دیکھا جو امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے تقریروں میں دیکھا کرتا تھا۔ لیکن چند منٹ بعد یکدم مسجد کے جنوبی دروازے سے جو جماعتوں کے سربراہوں کے آنے کے لیے ہی مخصوص تھا۔ مولانا سید ابواعلیٰ مودودی ایک کرسی پر جسے جماعتِ اسلامی کے رضا کاروں نے اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا نمودار ہوگئے۔ تو جلسے کی فضا یکسر تبدیل ہوگئی، جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلباء کے نوجوانوں نے سید مودودی زندہ باد کے نعرے لگائے، مسجد کے صحن میں ایکس گولے چلائے جو عموماً دلہا کی برات میں چھوڑے جاتے ہیں اور ساتھ ہی تالیاں بجا کر مولانا مودودی کا استقبال کیا۔ ایسے حالات میں جب کہ پورا مجمع اس استقبال سے پریشان تھا، مولانا ابوذر بخاری کے لیے تقریر کرنا مشکل ہوگیا اور وہ خاموشی سے اپنی تقریر کو نامکمل چھوڑ کر بیٹھ گئے سید مودودی نے خاموش رہنے کی التجا کی جو کافی دیر کے بعد مجمع کی طرف سے منظور ہوئی تو آپ نے کہا:

”میں انتہائی بیماری کی حالت میں ہوں۔ چلنے پھرنے سے بھی عاری ہوں، لیکن موقع کی مناسبت سے میرا یہاں آنا ضروری تھا تو کارکن مجھے یہاں تک اُٹھا کر لے آئے ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ خاموشی سے میری چند باتیں جو میں لکھ کر لایا ہوں سن لیں۔“

مولانا مودودی نے لکھی ہوئی تقریر پڑھنی شروع کی۔ ابھی شاید وہ اپنی تقریر پوری بھی نہ پڑھ پائے تھے کہ مسجد کے مشرقی دروازے سے جو کہ شاہی قلعہ کی طرف ہے مولانا مفتی محمود صاحب ایک جم غفیر کے ساتھ داخل ہوئے تو جلسے کی فضا ایک دفعہ پھر مکدّر ہوگئی۔ جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام کے کارکن سید مودودی اور مفتی محمود کے حق میں نعرے لگانے لگے۔ جس طرح مولانا مودودی کی آمد پر مولانا ابوذر بخاری تقریر نہ کر سکے ویسے ہی مولانا مفتی محمود کی آمد پر مولانا مودودی کو بھی تقریر ختم

کرنا پڑی۔ اس پر جماعت اسلامی کے کارکن مشتعل ہوگئے اور معاملہ بگڑتا چلا گیا۔ ایک دوسرے کے خلاف نعرے شروع ہوئے تو مقررین کے لیے تقریر کرنا مشکل ہوگیا۔ ایک عجیب صورت حال تھی۔ نعروں سے معاملہ آگے بڑھا تو جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام کے رضا کار ایک دوسرے کے گریبانوں تک آن پہنچے۔ ایسے حالات میں مجلس احرار اسلام اور خاکسار تحریک کے رضا کار جن میں مَیں بھی شامل تھا اور پھر مظفر علی شمسی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر یہ سب ہاتھ جوڑ جوڑ کر لوگوں کو تلقین کرتے رہے کہ اللہ کے لیے اس صورت حال کو ختم کریں اور جلسے کی کاروائی کو شروع کرنے دیں۔ مگر نعروں کا شور اور کشیدگی بڑھتی چلی گئی اور نوبت بایں جارسید کہ ایک دوسرے کے سر پھاڑے گئے اور معاملہ کنٹرول سے باہر ہوگیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر میں انتہائی پریشان تھا اور سوچ رہا تھا کہ ایک طرف تحریک متحدہ طور پر چل رہی ہے اور جب تحریک اختتام کے قریب ہے، یہ صورت حال کہیں ساری تحریک کا بیڑہ غرق ہی نہ کردے۔ کل کو یہ جھگڑا اخبارات میں شائع ہوگا تو پھر پورے پاکستان کے عوام پر کیا تاثر قائم ہوگا؟ مولانا ابوذر بخاری کی تقریر نہ ہونے پر مجلس احرار کے رضا کاروں نے کوئی ایسی حرکت نہ کی، جس سے جلسے کو جاری رکھنا مشکل ہوجاتا۔ مگر یہاں پر جب مولانا مودودی تقریر جاری نہ رکھ سکے تو جماعت اسلامی کے کارکنوں نے مولانا مفتی محمود کو تقریر کرنے سے روکنے کے لیے ہنگامہ برپا کردیا۔ یہ صورت مجھ سے نہ دیکھی گئی اور مایوس ہوکر مسجد سے باہر نکل آیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سٹیج سیکرٹریز علامہ احسان الٰہی ظہیر اور مظفر علی شمسی کی التجائیں اور احرار و خاکسار رضا کاروں کی زبردست کوششوں سے جلسہ جم گیا۔ اس دوران مولانا مودودی تو واپس چلے گئے لیکن مولانا مفتی محمود نے جماعت اسلامی کے رضا کاروں کے احتجاج کے باوجود تقریر کی۔ اللہ کا کرم یہ ہوا کہ دوسرے دن اخبارات میں اس اختلاف اور صحنِ مسجد میں اس ہنگامہ کا ذکر تک نہ تھا اور شاید حکومت وقت بھی فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کر چکی تھی۔ اس لیے یہ ہنگامہ نظر انداز کردیا گیا۔ ورنہ ایسے حالات کو بہانہ بنا کر تحریک کو نقصان پہنچانے کا احتمال تو تھا۔ جماعتیں دین کی سربلندی کے لیے ہوتی ہیں شخصیتوں کے لیے نہیں۔ دینی حمیت اور عظیم نصب العین پر شخصیتیں قربان کردی جائیں تو یہ بہت بڑی سعادت اور کامیابی ہوتی ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آجائے تو پھر ہمارے بہت سے مسائل جن سے آج ہمارا سامنا ہے حل ہوسکتے ہیں لیکن ایسا ہوتا نظر نہیں آتا اور یہی ہمارے زوال کا بنیادی سبب ہے۔

۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء کا دن جب قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم قرار دیا گیا:

اللہ اللہ کرکے وہ دن ۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء بھی آگیا۔ جس کے انتظار میں نہ جانے کب سے ملّتِ اسلامیہ بے چین و بے قرار تھی۔ وہ دن جس کے لیے مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں اور کارکنوں نے اپنی تمام زندگی صرف کردی تھی۔ مجلس احرارِ اسلام نے ۱۹۳۰ء میں تحریک کشمیر، ۱۹۳۴ء میں قادیان میں تحریک اور پھر ۱۹۵۳ء کی تحریکِ مقدس تحفظ ختمِ نبوّت میں بے پناہ قربانیاں دیں۔ دس ہزار مسلمان شہید ہوئے، ہزار جیلوں میں قید ہوئے اور بالآخر قادیانیوں کے اصل چہرے کو بے نقاب کرنے میں کامیاب و کامران ہوئے۔ قیام پاکستان سے پہلے مسلم لیگ کے اکابر نے قادیانیوں کو اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔ ان کے بارے میں یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ وہ مسلمان ہیں اور چودھری سر ظفر اللہ قادیانی کو آل انڈیا مسلم لیگ میں مرکزی رہنما کے طور پر شامل کیا گیا تاکہ یہ تاثر عام ہوکہ قادیانی مسلمان ہیں۔

۱۹۵۶ء کے آئین پر بھی مسلمانوں نے احتجاج کیا تھا کہ آئین میں یہ تو ہے کہ پاکستان کا صدر اور وزیر اعظم

لازمی طور پر مسلمان ہوگا، لیکن آئین اس بات کو واضح نہیں کرتا کہ آئین کی نظر میں مسلمان کون ہے؟ ایسے حالات میں جب کہ پاکستان کے اندر وہ گروہ بھی موجود ہے جو اپنے آپ کو مسلمان اور پوری اُمتِ مسلمہ کو کافر کہتا ہے۔ حالانکہ وہ دین اسلام کے بنیادی عقیدہ، عقیدۂ ختمِ نبوّت کا منکر و باغی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرزا قادیانی کو نبی مانتا ہے۔

۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء کو آئین نے مسلمان کی تعریف کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی شخص کو نبی ماننے والوں کو خارج از اسلام قرار دے دیا۔ اس طرح مسلمانوں کے ۱۹۵۶ء کے آئین پر احتجاج کو تسلیم کرتے ہوئے مجلس احرار اسلام کے دیرینہ مطالبہ کو تسلیم کر لیا گیا۔ اس لیے سب سے زیادہ خوشی مجلس احرار اور اُن کے کارکنوں کو ہوئی۔ مجلس احرار کے قائد مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس اقدام پر مبارک باد کا پیغام بذریعہ ٹیلی گرام اُس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پہنچایا اور ایک خصوصی اجتماع میں حکومت کے اس اقدام کو ملّت اسلامیہ کے لیے نیک فال اور شہداءِ ختمِ نبوّت و اکابر احرار کی قربانیوں کا ثمرہ قرار دیا۔ مجلس احرار اسلام نے مختلف شہروں میں کانفرنسیں منعقد کر کے حکومت کو اس مبارک کام پر خراج تحسین پیش کیا کہ اس سے شہدائے ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء کی روح کو تسکین حاصل ہوئی ہے جو ناموسِ رسالت کے تحفظ کے مقدس فریضہ کو سرانجام دیتے ہوئے اپنی جانوں پر کھیل گئے۔

سن چوہتر تھا ترپن کی صدائے بازگشت
جس میں خالد ہو گئے احرار آخر شاد کام

محفل ہوٹل میں سات دن تک تواتر کے ساتھ مٹھائی تقسیم ہوتی رہی۔ ہر آنے والا دوست مٹھائی لے کر آتا اور اس طرح ایک جشن کا ساماں کئی دنوں تک جاری رہا۔ شہر میں بھی یہی ہوتا رہا۔ اس تاریخی اعلان کو پوری قوم نے ایک جشن کی صورت میں منایا۔

امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر میلے کا ساماں تھا۔ مختلف شہروں سے لوگوں نے جلوس کی صورت میں ملتان پہنچ کر امیر شریعت کے مزار پر حاضری دی۔ مجلس احرار اسلام نے ایک مرکزی تقریب ۹؍ستمبر ۱۹۷۴ء کو مزار امیر شریعت کے احاطے میں منعقد کی جس سے قائد احرار مولانا سید ابوذر بخاری نے خطاب کیا۔ مزار پر احرار کیمپ لگا رہا، قرآن خوانی ہوتی رہی اور غریبوں میں کھانا تقسیم ہوتا رہا۔ قومی رہنما بھی مزار پر حاضری دیتے رہے جن میں مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی اور عبدالولی خان خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، تقریباً ایک ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوتا رہا کہ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی قادیانیوں کا تعاقب کیا اور اکابر احرار، رضا کارانِ احرار اس میدان میں اُن کی قیادت میں ہر مشکل اور صعوبت کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ اُس وقت بھی مجلس احرار نے یہ مقدس فریضہ سرانجام دیا جب ملک کی سیاسی اور دینی قیادتیں صرف جمہوریت کی بحالی کے لیے مارشل لا کے خلاف برسر پیکار تھیں اور قادیانیوں کے لیے اُن کی زبانیں گُنگ تھیں۔ جماعت احرار کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے انگریز کی غلامی کے خلاف بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ جنگ لڑی۔ آزادی کی تحریک میں مجلس احرار اسلام کے قائدین اور رضا کاران احرار کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ احرار کا نصب العین اور جدوجہد کا مقصدِ عظیم تھا کہ انگریز کو ہندوستان سے نکالو۔ اس کے نکلتے ہی اقوام عالم آزاد ہوں گی۔ چنانچہ اس مقصد میں بھی احرار کو کامیابی ملی

ہوئی اور دوسرا نصب العین تھا قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت دلانا۔ چنانچہ اس مقصد میں بھی بالآخر کامیاب و کامران ہوئے۔احرار اسلام، پاکستان و ہند کی وہ واحد تنظیم اور تحریک ہے کہ جس نے اسمبلی میں جائے بغیر اپنے دونوں مقاصد کو حاصل کیا اور تیسرے مقصد کہ اللہ کی زمین پر اللہ کی حکمرانی کے لیے جدوجہد کر رہی ہے۔اس میں بھی ان شاء اللہ مجلس احرار اسلام انتخابی سیاست سے الگ رہ کر کامیابی حاصل کرے گی۔ یہ کامیابیاں محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس نے مجلس احرار اسلام کو ایسے قائد عطا کیے کہ جن کا نام لب پر آتے ہی دل و دماغ اُن کے احترام میں سرنگوں ہو جاتے ہیں اور فضا میں ارتعاش محسوس ہوتا ہے، دل جذبۂ حریت کے تقدس میں ڈوب جاتا ہے۔تصور و تخیل میں جرأت وحمیت اکابر احرار کا طواف کرتی نظر آتی ہے اور خیال غیرت کا دامن تھامے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی سمت کشاں کشاں لے جاتا ہے کہ جن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اکابرِ احرار اور رضا کارانِ احرار نے سرزمین پاک و ہند پر اپنی قوتِ ایمانی سے جانفشانی، ایثار و قربانی کے وہ نقوش چھوڑے ہیں کہ رہتی دنیا تک یہ نقوش اہلِ ایمان کے لیے مشعلِ راہ بن کے انھیں کچھ کر گزرنے پر اُکساتے رہیں گے اور حق وصداقت پر مر مٹنے کا درس دیتے رہیں گے۔ چاہے زمانہ ہزار کروٹ بدل لے، تاریخی تحریفات اپنی مصلحتوں کا دل رکھنے کے لیے تاریخ کا چہرہ مسخ کرنے کی جتنی چاہے کوشش کر لیں، یہ اپنی جگہ پر ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی ذی شعور انکار تو کیا، انکار کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ احرار کا یہ قافلۂ اہلِ جنوں محض اللہ کی توفیق اور عنایت سے، جبر کی ہر قوت سے دیوانہ وار لڑ گیا۔نتائج کی پروانہ کرتے ہوئے وقت کی سولی پر رقص کر گیا لیکن ظالموں کی ستم رانیوں کے آگے سرنگوں نہ ہوا۔سطوت فرنگ، احرار کے حریت پناہ ارادوں کو مسخر نہ کر سکی۔سیم و زر کی چمک اُن کی عقابی نگاہوں کو خیرہ کرنے میں ناکام رہی۔اُن کے پرشکوہ عزائم کی تپش سے دشمن موم کی طرح پگھل گئے اور بالآخر یہ قافلۂ حق وصداقت اپنی بے سروسامانیوں کے باوجود اپنی منزل مقصود یعنی آزادی تک پہنچ کر ہی رکا۔اس وطن کو آزادی سے ہمکنار کرنے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لیے تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء میں ہزاروں رضا کارانِ احرار نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔نہ جانے کتنی جوانیاں موت کی ہولناک اور مہیب وادی سے گزرتی ہوئی راہِ ابد کو روانہ ہو گئیں۔قید و بند، تعزیر و سلاسل کے نہ جانے کتنے سلسلے راہ میں روکاٹ بنے لیکن یہ احرار جانباز جنھیں غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اپنے عظیم مقصد اور نصب العین کے لیے سینہ سپر رہے اور اپنے مقدس خون سے وقت کی پیشانی پر یہ تحریر لکھ گئے:

ہم زینتِ فسانۂ جاناں بنے رہے　　جذب و جنون و عشق کا عنواں بنے رہے
زیرِ قدم رہا ہے حوادث کا سلسلہ　　یوں جرأتوں کا شعلۂ پُرّاں بنے رہے

ہمارے ہاں جماعتوں کی کامیابی و ناکامی کا معیار ہی سرے سے غلط ہے۔سمجھا یہ جاتا ہے کہ وہ جماعت کامیاب ہے جو اسمبلی میں سیٹیں حاصل کر کے حکومت بنائے۔وزارتوں تک پہنچے، مگر یہ معیار غلط ہے۔دراصل کامیاب وہ جماعت ہے جس کو اپنے مؤقف کی صداقت پر لازوال یقین ہو اور جسے یہ نعمت حاصل ہو وہ پوری دنیا سے لڑ جاتا ہے

مجلس احرار کا یہی طرۂ امتیاز ہے کہ وہ اپنے مؤقف کی صداقت پر یقین رکھتے ہوئے عزمِ کامل کے ساتھ اس پر قائم ہے کہ اصل کامیابی ثبات میں ہے

تشکیل نو میں میری ہے میرے جنوں کا ہاتھ　　میرا شکوۂ ذات ہے میرے ثبات میں